R.No. 2...

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

تاریخ اشاعت

| | | |
|---|---|---|
| جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۳۷ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | یکم اکتوبر ۱۹۶۴ء |


ادارتیہ

## گاندھی جی اور اردو

۲ اکتوبر کو گاندھی جینتی ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اسی دن انجمن کی تیسری کل ہند کانفرنس کا افتتاح جے پور میں ہوگا۔ کانفرنس شائع شدہ پروگرام کے مطابق ۴ اکتوبر تک جاری رہے گی۔

گاندھی جینتی کے موقع پر ملک بھر میں گاندھی جی کی یاد میں جلسے ہوں گے جس میں مقرر اور مفکر، نیتا اور قومی کارکن ان کی تعلیم پر روشنی ڈالیں گے، ان کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے، ان کے راستے پر چلنے کی نوجوانوں کو تلقین کریں گے اور پھر جب یہ دن گزر جائے گا تو پھر گاندھی جی کی ان قدروں کو جن کا ساری دنیا احترام کرتی ہے، بھول جائیں گے۔

ویسے دیکھیے تو گاندھی جی کی ایک شاندار یادگار راج گھاٹ میں ہے اور جب کوئی معزز مہمان باہر سے آتا ہے تو وہ ملک و قوم کے اس محسنِ اعظم کی سمادھی پر پھول چڑھاتا ہے۔ قریب قریب ہر شہر میں گاندھی جی کے نام پر ایک شاہراہ ہے، گاندھی جی کے مجسمے ہیں، ان کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لیے کچھ ادارے بھی ہیں جن کو چند مخلص آدمی چلا رہے ہیں۔ ہر موقع پر گاندھی جی کا نام لیا جاتا ہے، ان کی ایک ایک سطر کو جمع کرکے شائع کیا گیا ہے، گاندھیائی فلسفے کی تعلیم بھی بعض اداروں میں ہوتی ہے مگر کیا یہ پوچھنے کی بات ہے کہ ہم نے گاندھی جی کے اخلاقی اصولوں کو، ان کی حق پرستی کو، قومی یک جہتی کے لیے ان کی بے مثال جد و جہد کو، ان کی رواداری کی روایات کو، سادگی، دیانتداری، اعلیٰ کردار کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ گاندھی جی کا احترام ہے یا ان کے ساتھ مذاق۔

گاندھی جی کی تعلیمات پر دھواں دھار تقریروں کی ضرورت نہیں، ان کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کے لیے ان کی ظاہری یادگاروں سے کچھ نہ ہوگا۔ ہمیں ان کی زندگی اور کردار کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنا ہوگا اور اس پر مقدور بھر عمل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

آج نہرو جی کا پورا ملک ماتم کر رہا ہے، ان کی یادگار قائم کرنے کی تجویزوں پر زور شور سے بحث ہو رہی ہے، ان کے نام کے سکے ڈھالے جا رہے ہیں، یونیورسٹیاں قائم کی جا رہی ہیں، عمارتیں ان کے نام سے منسوب کی جا رہی ہیں۔ ان کے جانشین برابر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نہرو کے راستے پر چلیں گے۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ انھیں اپنے قول کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔ لیکن ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں یہ نہ ہو کہ نہرو کا نام بھی اسی زور شور سے لیا جائے جس طرح گاندھی جی کا لیا جاتا ہے اور نہرو کی قدریں بھی اسی تغافل کی نذر نہ ہو جائیں جو گاندھی جی کی قدروں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ مثلاً گاندھی جی کی ہر بات کا ذکر ہوتا ہے مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ گاندھی جی نے اردو کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا تھا، کیوں وہ اردو کی بقا کے مسئلے کو قومی ضرورت سمجھتے تھے۔ اردو رسم خط سیکھنا کیوں وہ ضروری خیال کرتے تھے۔ اردو کے سلسلے میں

### اس شمارے میں

ان کی تحریروں اور بیانات کی کتنی بڑی تعداد ہے۔

کاش گاندھی اور نہرو کا بات بات پر نام لینے والے گاندھی اور نہرو کے نام کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں بلکہ ان کا وطن سے بے پناہ عشق، تمام ہندوستانیوں بلکہ تمام انسانوں سے ان کی محبت، اخلاق کی پاکیزگی، ذہن کی بلندی رہن سہن کی سادگی، کردار کی مضبوطی اور حق گوئی و بیباکی، سیکھیں اور اسے اپنی زندگی کا دستورالعمل بنائیں۔ قومی زندگی کے وہ گوشے جو گاندھی اور نہرو کی تعلیم اور ان کے طرزِ عمل کی پیروی کے خاص طور سے مستحق ہیں ان میں اردو زبان کو اس لیے خصوصیت حاصل ہے کہ یہ قومی یک جہتی کے لیے بہت اہم اور موثر آلہ ہے۔ اردو زبان کے فروغ سے قومی یک جہتی کو فروغ ہوگا اور قومی یک جہتی گاندھی اور نہرو کے خیال کے مطابق آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے

## سیر بین

کانفرنس کے سلسلے میں بڑے دلچسپ تجربے ہو رہے ہیں

بہت سے ایسے لوگ جو برسوں سے اردو سے اور اس کے حق سے اور اس سلسلے میں اپنے فرض سے غافل تھے۔ چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں رعایتی ٹکٹ کا فارم ارسال کر دیا جائے تاکہ کانفرنس میں شرکت بھی ہو جائے اور جے پور کی سیر بھی، ایک صاحب لکھتے ہیں کہ دو چار فارم زیادہ بھیجیے، کچھ دوستوں کا بھی ارادہ ہو رہا ہے کہ کانفرنس کی بہار دیکھ لیں۔ دوسرے لکھتے ہیں کہ مشاعرے میں بلوائیے اور ایک معقول رقم بطور نذرانہ دلوائیے تیسرے لکھتے ہیں کہ میں ہمیشہ ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہوں، آگے آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ہمیں معلوم ہوتا کہ الطاف احمد خیری صاحب کا مضمون ''دلکش جے پور'' لوگوں کے دل میں اس قدر گدگدی پیدا کر دے گا تو اسے کانفرنس کے بعد چھاپتے۔

مشاعروں کی مقبولیت نے کچھ شعرا کو ایسا سخت دل بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک گراں قدر نذرانے کی توقع کرتے ہیں۔ بزمِ ظفر نے گذشتہ سال لال قلعہ میں یومِ ظفر منایا تھا اور اس تاریخی موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا جس میں شرکت کی بعض ممتاز شعرا کو دعوت دی گئی تھی۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ جن حضرات کو مدعو کیا گیا تھا ان میں سے بہت سے صرف آمد و رفت کا کرایہ لے کر شریک ہوئے لیکن چند ایسے بھی تھے جو اس موقع پر بھی اسی قسم کے مطالبے کر رہے تھے جیسے انڈو پاک مشاعروں یا بعض سرمایہ داروں کے مشاعروں پر کیے جاتے ہیں۔ سنا ہے کہ لکھنؤ کے ایک ڈاکٹر تھے، ان کے والد کو ایک دفعہ زکام ہو گیا اور وہ اتفاق سے بیٹے کے مطب میں پہنچ گئے، بیٹے نے نسخہ لکھا، دوا دی ـــ اور فیس بھی وصول کر لی۔

(ROBUST LANGUAGE) کے اردو ترجمے کے سلسلے میں بھی بہت سے خطوط ملے ہیں۔ سخت کلامی، بدکلامی، طراری ان سب سے مفہوم ایک حد تک ادا ہو جاتا ہے مگر وہ موٹی مرن والی بات نہیں آتی جو انگریزی الفاظ میں ہے۔

آپ نے ہر یونیورسٹی میں پراکٹر اور اس کے بل دیکھے ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ پراکٹر اور بل کا ترجمہ کیا ہو؟ کہیں قوال اور اس کے سازندے نہ کہہ دیجیے گا۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آخر ان الفاظ کے ترجمے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ تو عام فہم ہو گئے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ مگر آخر فن برائے فن بھی تو کوئی چیز ہے اگر ترجمہ کیا جائے تو کیا کیا جائے۔ پراکٹر کے لیے چودھری اور بل کے لیے شحنہ کا لفظ کیسا رہے گا۔ اس کے طفیل اتنا شحنہ مردک نام کی مثل بھی یاد رہے گی۔ اگر طلسم ہوش ربا سے مدد لی جائے تو ایک اور اچھا لفظ مل سکتا ہے۔ یہ پنجہ ہے۔ افراسیاب کا پنجہ جس کو افراسیاب چاہتا تھا اٹھا لاتا تھا۔ ہمارے خیال میں اسے رائج کرنا چاہیے۔ اس میں ایک ایسی کیفیت ہے جو لفظ بل میں بھی نہیں۔ اگر یہ لفظ بھی پسند نہ ہو تو ''پیادے'' پر غور کیجیے۔

# خواہشمند طلبہ کیلئے اردو تعلیم کا انتظام

## پرائمری اسکولوں میں ہونا چاہیئے

لکھنؤ۔ ۲۲ ستمبر۔ معلوم ہوا ہے کہ آج یوپی کابینہ کی زبان سے متعلق سب کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان تمام اسکولوں کے پرائمری یا ایلیمنٹری درجوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جانا چاہیئے۔ جہاں اردو پڑھنے کے خواہشمند طالب علم کسی ایک درجہ میں دس یا کسی اسکول میں چالیس ہوں۔

پتہ چلا ہے کہ چار افراد پر مشتمل سب کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ان درجوں کی درسی کتابیں عام طور پر بولی جانے والی آسان زبان میں ہونی چاہیے۔

(سیاست جدید۔ کانپور)

# لطف اللہ مہندس بن احمد معمار

۸ر ستمبر ۹۲ء کے ہماری زبان میں جناب میکش اکبر آبادی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ اس میں لطف اللہ مہندس بن احمد معمار کے علاوہ لطف اللہ بن احمد المعروف بہ شاہ عادل کا بھی ذکر ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ شاہ جہاں کے عہد کے مشہور عمارت گر احمد معمار کے تین لڑکے تھے۔

۱۔ عطاء اللہ ـــــ نادر العصر

۲۔ لطف اللہ ـــ مہندس

۳۔ نور اللہ ـــــ معمار

لطف اللہ کے دو لڑکے تھے ـــــــ

۱۔ امام الدین الریاضی

۲۔ ابوالخیر خیر اللہ مہندس

نور اللہ کے لڑکے شاہ کلیم اللہ دہلوی تھے۔ محمد علی ریاضی ابوالخیر کا لڑکا تھا۔

"تاج محل کی تکمیل کے بعد احمد معمار، لطف اللہ وغیرہ قلعۂ معلّٰی دہلی کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ قلعۂ معلّٰی ۱۰۴۸ھ سے شروع ہو کر ۱۰۵۸ھ میں مکمل ہوا۔ تاج محل ۱۰۵۰ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ ۱۰۵۹ھ میں احمد معمار کا انتقال ہوا۔

در زمانِ سعید شاہ جہاں
شاہِ عالم پناہ جمشید مقدار
نادر العصر رفت و گفت خرد
"شد بفردوس احمد معمار"

احمد معمار کے خاندان کے افراد آگرہ سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ مولانا سلیمان ندوی نے محمد علی ریاضی کو "احمد معمار کے سلسلۂ نسل کی آخری کڑی کہا ہے"۔ (معارف نمبر ۳ جلد ۳ ص ۲۰۸)

شاہ کلیم اللہ دہلوی اس خاندان کی زبردست شخصیت تھے۔ ان کے چار لڑکے تھے۔ خواجہ محمد، حامد سعید، محمد فضل اللہ، محمد احسان اللہ۔ خواجہ محمد کا انتقال ان کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء میں شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ ان کو اپنی حویلی میں دفن کیا گیا۔ جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی۔

اس خاندان کے افراد شاہ صاحبؒ کے مزار کے آس پاس آباد تھے۔ غدر میں اس علاقہ کی تباہی کا ذکر غالب نے یوں کیا ہے۔

"شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مقبرہ اجڑ گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے ........ ...... وہاں کے رہنے والے اگر گولیوں سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں"

(اردوئے معلّٰی حصہ اوّل)

لطف اللہ مہندس ـــــ لطف اللہ کا لقب مہندس تھا۔

لقب ـــ گرچہ مہندس لقبم از شہ است
نامِ من دل شدہ لطف اللہ است

---

گرچہ مرا ہست مہندس لقب
ہندسہ زاں ہر سہ بود طلب

## تخلص

سفینۂ خوش گو میں لطف اللہ کے لڑکے امام الدین کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

"مولوی امام الدین ریاضی تخلص خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری است"

(معارف نمبر ۴ جلد ۔۔۔)

احمد علی خاں سندیلوی نے تذکرہ مخزن الغرائب میں ...

"مولوی امام الدین ریاضی اصل وطن ایشاں بلدۂ لاہور است ... توطن در دہلی اختیار کردہ، پدرش مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است۔ ایشاں ہم بہ گفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند"

(معارف نمبر ۴ جلد ۳)

معارف مذکورہ کے حوالے سے ہمیشہ بہار دلکش چند اخلاص کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"والد شریف ایشاں (امام الدین ریاضی) مولوی لطف اللہ مہندس کہ ایشاں ہم گاہ گاہ بے میل بشعری کردند و مہندس تخلص می فرمودند"

تاج محل (ادب جنوری ۹۲ء ص ۔۔۔) میں ...
... ہے کہ دیوان مہندس میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس لئے اشعار ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے سے قاصر ہوں۔

لطف اللہ مہندس کی فارسی نثر و نظم کی ذیل کی تصانیف ...

۱۔ ... صوفی ۴۔ تذکرہ آسمان سخن
۲۔ رسالہ خواص اعداد ۵۔ دیوان مہندس
۳۔ شرح خلاصۃ الحساب ۶۔ سحر حلال
۷۔ منتخب الحساب

منتخب الحساب کا سن تالیف ۱۰۹۲ھ ہے گویا مہندس ... تک بقید حیات تھے۔

(معارف نمبر ۴ جلد ۳۶ ص ۲۲۸)

لطف اللہ مہندس کے دو لڑکے تھے۔

(۱) امام الدین ریاضی (۲) خیر اللہ۔

امام الدین ریاضی ریاضیات کے زبردست عالم اور شاعر تھے
ں کرتے تھے۔ ان کے حالات کے لئے سفینۂ خوشگو، نشتر عشق
ں خاں عظیم آبادی)۔ ہمیشہ بہار (کشن چند اخلاص) مخزن الغرائب
ماں سندیلوی) تذکرہ صبح گلشن اور تاریخ علمائے ہند وغیرہ
ہے۔

ریاضیات کے درس و تدریس کے موروثی پیشہ میں مصروف
وجہ سے شعر کہنے کے لئے ان کو وقت کم ملتا تھا۔ ریاضی کی متعدد
اینف ہیں۔

تقریح تشریح الافلاک ۲۔ حاشیہ بر شرح خلاصۃ الحساب
حاشیہ بر شرح چغمنی ۴۔ بیانیہ

خیر اللہ مہندس ۔۔۔ لطف اللہ مہندس کا دوسرا لڑکا ابوالخیر
ابو خیر اللہ الخاطب بہ خیر اللہ خاں المتخلص بالمہندس ہے۔
یکھئے تقریب التحریر کا آغاز و خاتمہ۔ قلمی نسخے علی گڑھ و بانکی پور پٹنہ
یری ۶۳۶]

خیر اللہ علم ہندسہ اور ہیئت میں یگانۂ روزگار تھا محمد شاہ
زمانے میں راجہ جے سنگھ نے دہلی جے پور
سں اور اجین میں جو رصد خانے قائم کئے تھے۔ وہ ان کے
نگراں تھے۔ دہلی میں رصد خانہ کی نگرانی کے علاوہ ریاضیات
بھی دیا کرتے تھے۔

ان کی حسب ذیل تصانیف ہیں

(۱) تقریب التحریر
(۲) تقریر التحریر
(۳) حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اسطرلاب
(۴) شرح زیج محمد شاہی
(۵) شرح زلالی
(۶) شرح حافظ
(۷) شرح سکندر نامہ

خیر اللہ کے لڑکے محمد علی ریاضی نے اپنے باپ کی کتاب تقریب التحریر
کیا تھا۔

غدر میں احمد معمار کے خاندان کی تباہی و بربادی کا ذکر غالب
بیان کیا جا چکا ہے۔

لطف اللہ بن احمد شاہ عادلؒ کے متعلق راقم کی معلومات صرف
سلے تک محدود ہیں۔ اس سے ذیل کی باتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔
(۱) قرآن کی سورتوں کے خواص کے بیان میں شاہ عادلؒ کی منظوم
سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا نام لطف اللہ۔ والد کا نام احمد
عادل ہے۔

۲۔ نام کی رعایت سے ظاہر ہے کہ شاہ عادلؒ خانقاہ نشین بزرگ صوفی تھے۔ قرآن و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

لطف اللہ مہندس بن احمد معمار دہلی میں مقیم تھے اور ریاضی کا درس دیا کرتے تھے۔

۳۔ شاہ عادلؒ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

لطف اللہ مہندس کے دو لڑکوں اور ان کی ذہنی تخلیقات کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔

۴۔ سید احمد اللہ شاہ قادریؒ شاہ عادلؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کا وصال ۱۲۱۷ھ میں ہوا۔

۵۔ روایات کی رو سے سید احمد اللہ شاہؒ کے پوتے سید منور علی شاہ کی پیدائش کا سن ۱۰۹۰ھ قرار دیا گیا ہے۔ سید شاہؒ کے وصال کے وقت ان کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اس طرح ان کا سن وفات ۱۱۱۶ھ ہوتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت سید منور علی شاہ کی عمر ایک سو چھبیس سال کی تھی؟

لطف اللہ مہندس بن احمد معمار کے متعلق راقم السطور نے جو شواہد پیش کئے ہیں ان کی روشنی میں یہ ظاہر ہے۔ کہ مہندس اور شاہ عادلؒ دو مختلف ہستیاں ہیں۔

مراسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ شاہ عادلؒ (جن کے کوئی اولاد نہ تھی) وہی لطف اللہ بن احمد ہیں۔ جن کا تخلص مہندس ہے۔

اس امر کی تحقیق کتاب منظوم کی داخلی شہادتوں کے تجزیہ کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

اختر نظمی

## ساز

سازِ بیدار ہوا آخرِ شب
جھوم اٹھی ہے فضا آخرِ شب

ساز کے تار ہیں لرزاں لرزاں
جیسے احساس کی نازک لہریں
گدگدا کر مری تنہائی کو
تہیں چھپ جاتی ہیں کھو جاتی ہیں

ساز کی لے ہے کہ نغموں کا چراغ
جس کی نورِ روح کی تاریکی میں
سیکڑوں شمعیں فروزاں کر کے

خود بکھر جاتی ہے خوشبو کی طرح
رات کے عنبریں گیسو کی طرح

رحمن جامی

## یادیں

شبنم سے آنسوؤں کی
دھل کر مرے نفس کے
غنچے چٹک گئے ہیں !
اور پھول زخمِ دل کے
یادوں کے خار بن کر
دل میں کھٹک گئے ہیں

فرقت میں تیری اکثر
یوں آنسوؤں سے دھل کر
شاداب ہو گیا ہے
یادوں کا خشک منظر

شمسی طہرانی

## قطعات

سوچتا ہوں کہ تجھے اپنا بناؤں کیونکر
رقص کرتا ہے جو راتوں میں تصور تیرا
یاد کردہ شب ہا ناس کا رنگیں منظر
شدتِ شوق میں خود ہی سو اٹھا دی تھی کتا

جاگتا ہوں ابھی ذہن میں کہیں گم جاتا ہوں
تیری یادوں کے حسین شہر میں کھو جاتا ہوں
تو نے شمسی کو جہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا
اور پھر عہدِ تمنا بھی کوئی باندھا تھا

## ایک علمی و ادبی اپیل

ایک مکمل علمی ادبی مرکزی کتب خانے کا قیام کسی ایک شخص یا ادارہ کے بس کی بات نہیں ہے اس وقت دنیا میں جتنے مشہور کتب خانے ہیں وہ متعدد علم دوست اصحاب کی مجموعی کوششوں اور عطیوں کا نتیجہ ہیں یہ کتب خانے برسوں سے قائم ہیں اس لئے ان کے یہاں غیر مطبوعہ کتابیں بھی مل جاتی ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی زندگی کا آغاز ہوا تو اس کے پاس ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ انجمن اسلام کے ارباب حل و عقد نے کریمی لائبریری کو ادارہ کے حوالے کر کے بنیادی کتب خانہ قائم کرنے کا موقع دیا اس کے بعد حکومت کی عارضی امداد سے کتابوں کی خریداری شروع ہوئی لیکن اوس کے قطرے پیاس نہیں بجھا سکتے" اس لئے انجمن نے کتابوں کے لئے ہزار روپیہ سالانہ کی رقم منظور کی، لیکن وہ بھی دریا میں قطرہ ہے۔ بمبئی یونیورسٹی نے اپنی صد سالہ جبلی کے موقع پر پانچ ہزار کتابوں کے لئے عطا کئے۔ اس کے بعد بعض علم دوست اصحاب کی طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ ڈاکٹر حفیظ سید مرحوم نے دو ہزار روپے عطا کئے۔ اس کے بعد بعض کتابیں نوادرِ ادب میں تبصرہ کے لئے آنے لگیں بعض اداروں سے تصانیف کے تبادلے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن ایک تحقیقاتی مرکز کے لئے جس وسیع کتب خانہ کی ضرورت ہے اس کا ہمارے پاس عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ علم دوست احباب اپنا کتب خانہ یا اس کا کوئی حصہ ادارہ کو عنایت فرمائیں اس سے شاید کتب خانے کی توسیع و تکمیل میں کچھ مدد ملے چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر ہم نے اپنے بعض احباب سے تذکرہ کیا جس پر آغا جانی کشمیری اور ان کی رفیقۂ حیات محترمہ خورشید بیگم صاحبہ نے اپنا کتب خانہ ادارہ کو عنایت فرما دیا۔ حال ہی میں بمبئی کے مشہور تاجر جناب حاجی نور محمد صاحب نے بھی بعض کتابیں اور پرچے عنایت فرمائے ہیں جناب سعید انیس صاحب بھی اس سلسلہ میں تعاون کر رہے ہیں ان تمام بزرگوں سے جو اردو کے تحقیقاتی کاموں کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھتے ہیں یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے ذخیروں سے جو کچھ بھی عنایت فرما سکتے ہیں مرحمت فرمائیں کہ اس میں کسی خاص موضوع یا فن کی قید نہیں ہے کہ پرانے اخبارات و رسائل بھی اس کا اہم جز ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ ہمیں اس سلسلے میں ناامید نہیں ہونا پڑے گا۔

مزید معلومات کے لئے ڈائرکٹر سے رجوع کیا جائے۔

نجیب اشرف ندوی
ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا
نوروجی روڈ بمبئی نمبر ۱

رضا بیدار

# اہم ادبی رسالے

...دامات:-

لکھنؤ کا یہ ماہنامہ جو غالباً جولائی ۱۹۱۲ء سے نکلنا شروع ...س کے مالک اور ایڈیٹر دانی تھے اور لکھنے والے چودھری ...ی، شرر، بیوق، فیروز الدین مراد اور خود، بلکہ زیادہ تر ایڈیٹر ...ر کے ناول "جیسلہ کی ناکامیابی" کی حسرت نے بے حد تعریف ...زی تا جون ۱۹۱۵ء کے شمارے ہمارے پیش نظر ہیں۔

باب اور بہا' پر شرر کا طویل مضمون غالباً جنوری ۱۵ء سے پہلے ...ہ چل رہا ہے اسی ذیل میں اپریل کے نمبر میں قرۃ العین کا لاشہور ...ون نکلا۔

مارچ ۱۹۱۵ء کے نمبر میں "نئے اخبارات و رسائل" کے عنوان ...ی حسرت کے سہ ماہی تذکرۃ الشعراء کا ذکر ہے اور پھر علی گڑھ کے ...یزان" کا

...زان" علی گڑھ:-

یہ ایک اخبار ہے جو علیگڑھ سے جاری ہوا ہے اور ہفتہ دو بار نکلتا ہے کہا جاتا ہے کہ جو زہر ہمدرد نے مسلمانوں میں پھیلایا ...ی اس کے واسطے یہ تریاق ہے۔ یہ دیکھکر کہ مسلمان گمراہ ہوئے جاتے ...المیزان وجود میں آیا اور فوراً اپنا کام شروع کر دیا یعنی مظہر الحق ...ی اسی ہزار روپے اگلوا لئے۔ اگر اس سے ذرا بھی چوک ہو جاتی ...پے ہضم ہی ہو گئے تھے۔

"جو روش اس اخبار کے جاری کرنے کی محرک ہوئی وہ یقیناً ...ہ پسندیدہ تھی لیکن یہ بات کہ نکتہ چینوں کی بھی نکتہ چینی کی جائے ...ن کے نقائص بھی دکھائے جائیں ایک ضروری کام ہے....

...ہمارے خیال میں بہت دلچسپ ہوتا ہے، ایک چیز کی کمی ہمیں اس ...نظر آئی ہے اور یہ وہ کمی ہے جو اس کے مقابل ہمدرد میں بھی ہے ...بردباری... جدید نگاری ایک اہم ذمہ داری ہے نفس کشی ...ا سبق ہے جو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہیے ...و غضب کی تو اس میں گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں....

...رے خیال میں اس وقت اردو میں دو پرچے ہیں جن سے ہر پارچہ ...ن حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارا اشارہ عصر جدید اور وکیل کی طرف ہے ...ظر یہ ہے کہ المیزان کی پالیٹکس سے ہم کو گو اختلاف ہے لیکن ہم ...ی کو ایک عمدہ پرچہ سمجھتے ہیں...."

...دھری محمد علی ردولوی کا خط۔

فروری یا جنوری کے شمارے میں "اکبر کا کلام" کے عنوان سے ...دھری محمد علی نے اکبر کی زبان سے جو شعر سنے وہ نقل کیے ہیں اور ...ن سے پہلے ایک خط لکھا ہے۔

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب"

"کرسمس کی تعطیل میں کرایہ نصف ہوتا ہے سفر آسان معلوم ہوتا ہے حضرت بیوق اور ایک تحصیلدار کی معیت سے الہ آباد گیا۔ گو کہ موجودہ اطمینان تھا مگر بقول ملاجیون کے اس قدر سستا کرایہ کہاں ملتا تا بہرحال الہ آباد پہنچا۔ امرود تو کھائے مگر، اکبر حسین صاحب کی زیارت کے بغیر حج الہ آباد کیونکر پورا ہوتا۔ عدیم الفرصت تھے، آلام و مصائب جسمانی و روحانی بھی لاحق تھے مگر پرانے اخلاق کے حامی نے گوارا نہ کیا کہ مشتاقان زیارت محروم جائیں۔ باہر تشریف لائے اور بہت دیر تک اخلاق فرماتے رہے۔ دبی زبان سے عرض کیا گیا کہ اگر کچھ اپنی زبان سے ارشاد فرمایئے تو باعث ناز ہو۔ ہر منت بھی جناب مختشم الیہ نے قبول کی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں ہم لوگ معلومات کو کیونکر بھول سکتے تھے جسارت کر کے اجازت لی اور جو کچھ معلومات کی قسمت کا تھا وہ ہاتھ آیا۔ بہت سے اشعار قلمبند ہو سکے ان کو قوتِ حافظہ میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ؎

اگر زمیں را بہ آسماں دوزی / نہ دہندت زیادہ از روزی

(چودھری محمد علی (تعلقہ دار امیر پور۔ ردولی)

اس کے بعد اکبر کے بہت سے شعر نقل کئے ہیں۔

## انجمن روہتاس کا جلسہ

۱۳ر ستمبر کو ایک احتجاجی جلسہ زیر اہتمام انجمن ترقی اردو شاخ روہتاس شاہ آباد زیر صدارت مولانا عبد السلام صاحب صدیقی ہوا جس میں بالاتفاق یہ تجاویز عمل میں آئیں:

۱۔ یہ جلسہ مگدھ یونیورسٹی کے جاری کردہ اس سرکلر کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جس کی رو سے ۱۹۹۰ء سے یونیورسٹی مذکورہ کے تمام امتحانات ہندی اور دیوناگری رسم الخط میں ہوں گے۔

۲۔ یہ جلسہ اس سرکلر کو ہندوستانی شہری کے لسانی حقوق پر ایک ضرب کاری سمجھتا ہے، اور خصوصاً بہار کے اردو داں طبقہ کے لئے انتہائی غیر منصفانہ قرار دیتا ہے۔

۳۔ یہ جلسہ یونیورسٹی مذکور کے وائس چانسلر اور دوسرے متعلقین حضرات سے اور محترم وزیر تعلیم سے پر زور اپیل کرتا ہے کہ جلد سے جلد اپنے جاری کردہ سرکلر پر نظر ثانی کریں، اور غیر ہندی داں طبقہ کے جائز مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا بنیادی حق انھیں واپس لوٹا دیں۔

(جلال الدین خاں، ناظم نشر و اشاعت)

## ادارۂ فکر نو، اورنگ آباد کے عہدیدار

اورنگ آباد (گیا) بتاریخ ۸ر ستمبر ۱۹۹۲ء بوقت سات بجے شام بمقام اردو لائبریری ادارۂ فکر نو کا ایک غیر معمولی مشاورتی

جلسہ زیر صدارت مولانا سید عبدالرؤف صاحب منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات بہ اتفاق رائے ادارے کے عہدیداران منتخب ہوئے

۱۔ صدر:- جناب پروفیسر سید ظہیر حسن صاحب ایم۔ اے (صدر شعبۂ اردو ایس سنہا کالج)

۲۔ معتمد اعلیٰ:- جناب علی حیدر ملک ایم۔ اے

بعد ازاں صدر اور معتمد اعلیٰ نے جناب تبسم شفائی صاحب کو معاون معتمد اور درج ذیل حضرات کو مجلسِ مشاورت کے ارکان کی حیثیت سے نامزد کیا:

۱۔ جناب مولانا سید عبدالرؤف (۲) جناب مولانا لطافت حسین شمسی (۳) جناب پروفیسر سید شاہ شہاب احمد صاحب (۴)۔ جناب سید نظام الدین قادری صاحب (۵) جناب ظہیر حسن خاں صاحب (۶) جناب قیوم ذکی صاحب (تبسم شفائی)

## فیض نمبر کے لئے مضامین کے حوالے

ماہنامہ "افکار کراچی" جوش نمبر کی طرح "فیض نمبر" میں بھی طلبا اور طالبانِ ادب کی آگہی رہبری کے جذبے سے فیض احمد فیض کی زندگی، شخصیت اور فن پر اب تک شایع شدہ جملہ مضامین کی فہرست "کتابیات" کے لئے مرتب کر رہا ہے۔ اہل علم اور فیض کے احباب فیض پر شائع شدہ مضامین کی تفصیل مدیر "افکار" رابسن روڈ کراچی کو بھیجدیں کتابیات کے لئے صاحب مضمون، عنوان مضمون، رسالہ یا کتاب کا نام مع تاریخ، شمارہ و سن اشاعت درکار ہے۔ اس کے علاوہ جن احباب کے پاس فیض کے قلمی خطوط اور تصاویر محفوظ ہوں وہ خطوط و تصاویر برائے اشاعت بھیجدیں۔ اشاعت کے بعد یہ چیزیں واپس کر دی جائیں گی۔

## سلام سندیلوی کے اعزاز میں نشست

ڈاکٹر سلام سندیلوی کے اعزاز میں مرکزِ ادب گورکھپور کی ایک خصوصی نشست بھارتی پرکاشن کے ہال میں منعقد ہوئی۔ افسانہ نگار ایم کوثر شادی راہی نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ راہی صاحب نے موصوف کو ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے پر اپنی نیز اراکین مرکزِ ادب کی جانب سے دلی مبارکباد دی۔ احمر لاری اور ملک زادہ منظور احمد نے ڈاکٹر سلام کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات پر تقریریں کیں جواب میں سلام صاحب نے مرکزِ ادب گورکھپور کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے اور اس نشست کے انعقاد کو اراکین مرکزِ ادب کے خلوص پر محمول فرمایا۔ اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد ہندی کے ادیبوں شری دھنی ترپاٹھی، مالک بھارتی پرکاشن اور شری سیتارام ورما نے ہندی کے ادیبوں اور شاعروں کی طرف سے ان کا سواگت کیا۔ اور انھیں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ چائے کے وقفہ کے بعد مشاعرہ ہوا۔ (ناظم شعبہ نشر و اشاعت)

## آنجہانی مکتی بودھ کے سوگ میں منعقد کا جلسہ

۱۳ ستمبر بھوپال۔ ہندی کے عظیم شاعر اور ناقد جناب مکتی بودھ کے طویل علالت کے بعد انتقال کی وجہ سے بزم ... کی پندرہ روزہ نشست ملتوی کر دی گئی اور مرحوم کے سوگ ... تعزیتی جلسہ برلی ہاؤس میں زیر صدارت جناب اختر سعید منعقد ... حاضرین جلسہ نے تعزیتی تجویز دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر منظور کی۔

جناب شرد جوشی۔ سوم دت گرگ۔ احمد فضل تابش ... نے شری مکتی بودھ کی ڈائری کا ایک باب اور ... دو نظمیں پڑھ کر سنائیں اور ان کے فن اور شخصیت ... پر روشنی ڈالی۔

صدر مجلس جناب اختر سعید نے مکتی بودھ کی موت کو ایک عظیم انسان دوست شاعر اور ناقد کا نقصان ... کہتے ہوئے ان کی نظم "چنبل کی گھاٹی" پر اظہار خیال فرمایا ... (فضل تابش)

## سہسرام کے اردو طلباء کے فیڈریشن کا جلسہ

سہسرام اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب افسر عبدالسلام صاحب بتاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۴ء منعقد ہوا۔ ... ذیل تجاویز بالاتفاق منظور کی گئیں۔

سہسرام کے اردو خواں طلباء کا یہ جلسہ مگدھ یونیورسٹی کے فیصلے کو کہ پری یونیورسٹی اور دوسرے کلاسوں کے امتحانات کے جواب صرف ہندی زبان دیوناگری رسم الخط میں دیئے جائیں تشویش اور ... کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس جلسے کے خیال میں یونیورسٹی کا یہ فیصلہ نہ صرف اقلیتوں ... حقوق پر دست اندازی کے مترادف ہے بلکہ دستور کے مقصد کے ... ہے اور اس کی روح کو مجروح کرتا ہے لسانی اور ثقافتی اقلیتوں کو اپنی زبان اور ... تحفظ کے جو حقوق حاصل ہیں اور دستور ہند کی ... یہ فیصلہ براہ راست ... لسانی جارحیت کی سمت ایک قدم ہے اور اقلیت کی زبان پر ایک ضرب کاری۔

اس لئے یہ جلسہ غیر مبہم صاف اور پر زور الفاظ میں مطالبہ کرتا ہے کہ یونیورسٹی ... بلا شرط اپنے اس فیصلے کو واپس لے اور پھر اسے نافذ کر کے اقلیتوں کے حقوق ...

یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ مندرجہ بالا تجویز کی نقول۔ وائس چانسلر ... یونیورسٹی چیف منسٹر بہار۔ وزیر تعلیم صوبہ بہار، چیرمین اکیڈمک کاؤنسل ... پرنسپل، ایس۔ پی۔ جین کالج سہسرام اور سکریٹری ریاستی انجمن ترقی ... کو بھیجدی جائیں۔

(مظہر علی جنرل سکریٹری اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن سہسرام)

## چیکوسلواکیہ میں مشاعروں کا رواج

ہندوستان کے کویوں اور شاعروں کو اس بات پر فخر ہے کہ ان کی تخلیقات کو کوی سمیلنوں اور مشاعروں میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں سنتے ہیں اور جی بھر کے داد دیتے ہیں۔ شاید چیکوسلواکیہ کو چھوڑ کر دنیا کے کسی بھی ملک کے ادب کو یہ خصوصیت نہیں حاصل ہے کہ وہاں کے کویوں اور شاعروں کی اس طرح عزت افزائی ہو جس طرح اردو اور ہندی کے شاعروں کی کوی سمیلنوں اور مشاعروں میں ہوتی ہے۔ اصل مشاعروں اور کوی سمیلنوں کے ذریعہ شعراء اپنے عوام سے براہ راست تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اپنی تخلیقات کے متعلق عوامی تاثرات کا موقع ہی پر جائزہ لیتے ہیں اور اپنی غزلوں، نظموں اور گیتوں کو ایک وقت میں ہزاروں اور اکثر لاکھوں لوگوں کو سنا کر ان سے خراج عقیدت حاصل کرتے ہیں۔ چیکوسلواکیہ میں کچھ نچلے نوجوانوں نے کوی سمیلنوں اور مشاعروں کی طرح کی نشستوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ چیکوسلواکیہ میں اس دلچسپ ادبی تجربہ کا خالق ایک نوجوان جیری اوسٹرمین ہے۔ جیری اور اس کے چند ہم خیال ساتھیوں نے سب سے پہلے پراگ کے ایک ریستوراں دانیلا میں یہ تجربہ کیا تھا اور رفتہ رفتہ اب دانیلا نوجوانوں بالخصوص ان کی ادبی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ یہاں بے تکلفی کے ماحول میں لوگ نئی نسل کے شاعروں کی تخلیقات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ دانیلا کی محفلوں میں شریک ہونے والے لوگوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ وہ چاہے جس لباس میں آئیں، چاہے جو کچھ بھی کھائیں پئیں اور جو کچھ بھی بطور مشروب استعمال کریں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہی آزادی ان محفلوں کی کامیابی کی ضامن ہے۔

جیری اوسٹرمین ہر نوجوان شاعر کی ہمت افزائی کرتا ہے اور اس کے لئے اپنی تخلیقات کو پڑھنے اور داد حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ دانیلا کی ان محفلوں میں پڑھی جانے والی نظموں میں جنگ کے خلاف نفرت، ماضی کے واقعات سے عبرت اور مستقبل کو سنوارنے کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ شعراء اس طرح اپنا کلام پڑھتے ہیں جیسے فی البدیہہ شاعری کر رہے ہوں۔

جس طرح ہندوستان کے مشاعروں میں شاعروں کے اچھے اشعار کی تعریف تالیاں بجا کر اور مخصوص فقروں کے ذریعہ کی جاتی ہے اسی طرح دانیلا کی محفلوں میں بھی شاعروں کے کلام کی تعریف کی جاتی ہے اور اب دانیلا کی محفلوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بہت سے صوبائی شہروں کے ہوٹلوں کے منتظمین اسی طرح کی ادبی محفلوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ وہ دن دور نہیں ہے جب ان محفلوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا۔ ان مشاعروں میں شعراء اپنا کلام تحت اللفظ بھی سناتے ہیں اور ترنم میں بھی اور کچھ شعراء اپنا کلام سناتے وقت ساز بھی بجاتے ہیں۔

## انجمن دیگلور (ناندیڑ) کا جلسہ

آج بتاریخ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء بوقت ساڑھے پانچ بجے شام انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور کے جلسہ کا آغاز ہوا۔ میٹنگ کی صدارت شری کرشنا راؤ صاحب دیش پانڈے نے کی۔

۱۔ جلسہ کے آغاز میں پنڈت جواہر لال نہرو کے انتقال پر اظہار رنج و غم ہوا اس کے بعد مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور کا یہ جلسہ مادر ہند کے مایۂ ناز سپوت عظیم قائد و محبوب وزیر اعظم شری جواہر لال آنجہانی کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ آنجہانی کے انتقال سے ہمارے ملک کا اور عالمی امن کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ ہم ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ آنجہانی جواہر لال نہرو کی روح کو شانتی عطا کرے اور اہل ملک اور اہل خاندان کو اس المناک سانحہ کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرے۔

۲۔ شری شیو رام صاحب رکن انجمن و شری شیام کنول صاحب مودی مود شکت صاحب کی موصولہ قرارداد مورخہ ۲ اگست ۱۹۶۴ء پر غور کیا گیا۔ باتفاق رائے طے کیا گیا کہ انجمن کی رکنیت سازی کا کام فوری شروع کر دیا جائے۔ اور جملہ اراکین حتی الامکان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اراکین بنانے کی کوشش کریں۔ انجمن کی شاخ دیگلور کے انتخابات ماہ جنوری ۱۹۶۵ء میں منعقد کیا جانا باتفاق رائے طے کیا گیا۔

۳۔ حکومت اور کلکٹر ناندیڑ سے حال ہی میں جو احکام اردو زبان کے متعلق مختلف دفاتر کو اجرا کئے گئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ اردو زبان کی دستوری مراعات کو ختم کرنے کے بارے میں یہ احکام خاص طور پر دئے گئے ہیں۔ اردو زبان دستور ہند کی مانی ہوئی اور مسلمہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کے وقتاً فوقتاً احکام جن کی رو سے اردو کا استعمال دفاتر میں بند کیا گیا ہے اردو داں طبقہ کے لئے نہایت ہی مشکلات اور پریشانی کا باعث ہیں۔ لہٰذا اس جلسہ کی رائے یہ ہے کہ اس سلسلے میں ضروری کارروائی کی جانی چاہئیے۔ باتفاق آراء اس خصوص میں یہ طے کیا گیا کہ ان احکام کے متعلق انجمن ترقی اردو کے صدر دفتر سے مراسلت کی جائے اور ان کی توجہ اس مسئلہ کی طرف منعطف کرائی جائے۔ اور انجمن شاخ ہذا کا ایک وفد کلکٹر صاحب ناندیڑ سے مل کر ان امور کو پیش کرے۔ وفد میں یہ حضرات ہوں گے شری کرشنا راؤ دیش پانڈے صدر ۔ ۔ ۔ شری عبدالصمد خاں صاحب دیشمکھ شری جوش صاحب، شری بنا لنگ وپٹیل، شری مدھو سودھن راؤ دیگلیکر اور شری مرزا اسد اللہ بیگ یہ وفد ختم ماہ اگست ۱۹۶۴ء

پیشتر ناظمیر جاکر کلکٹر صاحب سے ملاقات کریگا۔

۴۔ مدرسہ نسواں" اردو ساتویں جماعت" قائم کرنے کے تعلق سے بھی کوشش کی جائے۔ مندرجہ بالا وفد ناظمیر جاکر مہتمم صاحب تعلیمات سے ملاقات کرے گا۔ علاوہ ازیں ضلع پریشد وغیرہ میں بھی کوشش کرکے ساتویں اردو جماعت کے قیام کے لئے کوشش کرنا باتفاق آرا طے کیا گیا۔

۵۔ شری شیام کنول صاحب بطور آفس سکریٹری کام انجام دیں گے، باتفاق رائے طے کیا گیا۔

۶۔ حاضرین کا شکریہ ادا کئے جانے کے بعد میٹنگ برخاست کی گئی

سکریٹری

## بابائے اردو مولوی عبدالحق

"بزم اردو ادب" مدے بہال (بیجاپور) کے زیر اہتمام ۹ ستمبر ۹۲ء کو انجمن ہائی اسکول میں ایک محفل" بابائے اردو کی تیسری برسی کے سلسلہ میں منعقد کی گئی جس کی صدارت جناب حسین ہاشم نے کی۔

اس جلسہ میں معزز شہریان مدے بہال" اور طلبا کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ جلسہ کا آغاز بزم کی گزشتہ رپورٹ سے ہوا۔

اس کے بعد انجمن ہائی اسکول کے طلبا نے بابائے اردو پر تقریریں کیں۔ اس کے علاوہ جناب عبدالواحد صاحب، راج محمد صاحب، م۔ ابوبکر صاحب اور ریم۔ کے کرجگی صاحب نے بابائے اردو پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس جلسہ میں سب سے زیادہ قابل سماعت تقریر جناب ہاشم صاحب جیلانی استاد کی تھی جنہیں بابائے اردو سے ۱۹۳۵ء میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا آخر میں صدر بزم جناب عبدالحمید شکریہ کے بعد ختم ہوئی

سکریٹری



## مراسلات

## آنجہانی اور مرحوم

(۱)

پہلی ستمبر ۹۲ء کے "ہماری زبان" میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے جو استفسار کیا ہے اس کے جواب میں "سماج سازی اور زبان و ادب" نامی اپنے ہی مقالے سے اپنا اقتباس روانہ کر رہا ہوں جو سات آٹھ برس پہلے رسالہ "اردو ادب" ہی میں شایع ہوا تھا۔

"موت سے زیادہ عام اور کیا حقیقت ہو سکتی ہے؟ امیر و غریب بادشاہ اور فقیر، حاکم اور رعایا، ظالم اور مظلوم، بیوہ اور سہاگن، پہلوان اور روگی، انسان اور جانور، کیڑے اور چوپائے، رینگنے اور پرندے سب کو ایک گھاٹ پر اتارنے والی موت کے سامنے بھی نخوت اور غرور سے انسان کا سر نیچا نہیں ہوتا! اور انسان نخوت اور غرور میں مبتلا ہو کر موت جیسی عام حقیقت میں بھی برتری اور امتیاز کا دعویدار ہوتا ہے اور اپنا دعوی زبان کے ذریعہ دائر کرتا ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ذکر کرتا ہے جو دنیا سے گزر چکا ہے تو نام یا لقب یا رشتے کے حوالے کے ساتھ مرحوم کہتا ہے۔ جیسے افضل خاں مرحوم، بھائی صاحب مرحوم،

ہندو اپنے مذہب والوں کو جنت میں پہنچاتے ہیں اور سورگ باشی یا بیکنٹھ باشی کہتے ہیں۔ اگر موت واقع ہونے کے معنی ہیں "سورگ باش" ہو گیا کہتے ہیں۔

اس کے برعکس جب غیر مذہب کے گزرے ہوئے افراد کا حوالہ دینا ہوتا ہے تو مسلمان "آنجہانی" اور ہندو "پرلوک باشی" کہتے ہیں۔ دونوں کے معنی ہیں "دوسری دنیا کا" یا دوسری دنیا میں بسنے والا" اس کا مطلب ہی یہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے نزدیک کوئی بھی غیر مسلمان جنت میں نہیں جا سکتا یا اس پر اللہ کی رحمت نہیں ہو سکتی اور ایک ہندو کے نزدیک کوئی بھی غیر ہندو سورگ میں نہیں جا سکتا اور بیکنٹھ باشی نہیں ہو سکتا!"

ڈاکٹر جعفر حسن

(۲)

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ اردو کی ترقی اور ترویج میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں بالخصوص اہل ہنود حضرات کا حصہ بہت زیادہ تھا اور آج بھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو پر ایرانی یا عجمی تہذیب و تمدن، عقاید اور رسوم کے اثرات حاوی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صدہا سال تک ان خاندانوں کا اقتدار رہا ہے جن کا تعلق بالواسطہ یا براہ راست ایران سے تھا، یہ سلسلہ آریائی دور سے شروع ہو کر مغلوں کے عہد تک قائم رہا عجمی تمدن کے اثرات اس حد تک گہرے تھے کہ مذہبی اصطلاحات بھی ان سے بچ نہ سکیں نقل اگرچہ مسلمان تھے لیکن

انھوں نے ٹھیٹھ عربی یا اسلامی مصطلحات کی جگہ ہندو زرتشتی اور عیسائی الفاظ کو قبول کر لیا تھا چنانچہ خدا، فرشتہ، جنت، دوزخ، نماز، روزہ وغیرہ اسی قبیل کے ہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر عقاید پر بھی اثرات مرتب ہوتے رہے۔

اردو ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے اور ہندوستان میں دنیا کے تقریباً تمام بڑے مذاہب کے پیرو آباد ہیں، اردو نے ایک ترقی پذیر زندہ زبان کی حیثیت سے تمام مذاہب کی اصطلاحات کو اخذ کیا اور اس طرح عقیدوں کی بنیاد پر بکھرے ہوئے انسانوں کے مختلف گروہوں میں ایک جہتی پیدا کی، ہمارے بزرگوں نے اس کا التزام کیا تھا کہ مذہبی مصطلحات کو ان کے اصطلاحی معنوں میں ہی استعمال کریں اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہم جملہ عقاید سے واقف ہو سکے اور اس طرح ایک دوسرے سے قریب تر آسکے لیکن کچھ عرصہ سے "رواداری" کا جنون "زور پکڑتا معلوم ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہبی اصطلاحات کے استعمال کو عام کیا جانے لگا اس سے ایک طرف یہ نقصان ہوا کہ الفاظ کے اصطلاحی معنی ختم ہو گئے اور وہ مبہم بلکہ مہمل ہو گئے، دوسری طرف عقاید کو سمجھنے میں الجھن پیدا ہونے لگی اس سلسلے میں شہید، امام مرحوم وغیرہ الفاظ خصوصاً الجھن کا سبب بن گئے ہیں، ایک مخصوص عقیدہ کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ جو مفہوم اور روایات وابستہ ہیں ان کو نظر انداز کر کے انھیں عام کر دینے کے اسباب کا مجھے علم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ یہ طریقہ کار مفید نہیں ہو سکتا۔

اپنے بزرگوں کی یادوں کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ان کے احوال اور تذکرے قلم بند کر لیں ضرورت نے انھیں اس سلسلہ میں اصطلاحات وضع کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ ان مواقع پر جو چند فقرے مستعمل ہیں یہ ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم (صلعم، م) ۔ علیہ السلام (ع) رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رض) کرم اللہ وجہہ (ک) ۔ رحمۃ اللہ علیہ (رح) وغیرہ۔

ان فقروں پر غور کیجئے تو اندازہ ہو جائے گا۔ کہ مذہبی نقطۂ نظر سے حفظ مراتب کا سختی سے التزام کیا گیا ہے چنانچہ اول الذکر فقرہ صرف ذات بابرکات "صلعم" کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور آخر الذکر کا ان تمام بزرگان دین کے نام کے ساتھ الحاق کیا جاتا ہے جو انبیاء اور صحابہ کرام کے علاوہ ہوں۔ عامۃ المسلمین کے لئے ابھی ایک اصطلاح کی ضرورت اور محسوس کی جاتی تھی اس کے لئے لفظ "مرحوم" کو رواج دیا گیا مالیتی کے لئے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا عقیدہ یا مسلک سے ہو "آنجہانی" کا استعمال کرتے ہیں، اردو کی وسعت کے لئے یہ کافی ثبوت ہے کہ اس کے پاس ایک ایک مفہوم کی ادائیگی کے لئے کئی کئی اصطلاحیں موجود ہیں۔

لفظ "آنجہانی" کی عمومیت کے متعلق سوچتا ہوں تو یہ بات نکلتی ہے کہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عالم دو ہیں ایک عالم آب و گل اور دوسرا عالم ارواح، انسان مر جاتا ہے تو روحیں عالم ارواح میں جا رہتی ہیں چنانچہ ان عقاید کے ماننے والے اپنے مردوں کو بے تکلف "آنجہانی" کہہ سکتے ہیں لیکن ان سے مختلف معتقدات بھی انسانوں میں پائے جاتے ہیں بعضوں کے نزدیک جسم کے ساتھ روح کا ختم ہو جانا بھی ممکن ہو سکتا ہے، دوسروں کے عقیدہ کے مطابق روح اسی دنیائے آب و گل میں رہتی ہے صرف خاکی جسم بدل جاتا ہے بقول شاعر:

فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

ان سے یہ تقاضا کرنا کہ یہ بھی اپنے مردوں کو "آنجہانی" ہی کہیں مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ لفظ اصطلاح کا درجہ حاصل کر چکا ہے اس کا استعمال عامۃ الناس کے لئے کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے بلا امتیاز اس کے کہ مردہ کس مسلک یا مذہب کا ماننے والا تھا اور اس کا مذہبی مرتبہ کیا تھا۔

مردوں کے لئے یہ مختلف تراکیب اسی نوعیت کی ہیں جیسے بنی نوع انسان کے مختلف افراد میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے رسول، نبی، صحابی، تابعی، ولی، مسلم، مومن، مشرک وغیرہ الفاظ رائج و مستعمل ہیں جس طرح ہر ولی کا مومن ہونا یقینی ہے لیکن ہر مومن کو ولی نہیں کہا جا سکتا اسی طرح کسی بھی مردہ کو "آنجہانی" کہا جا سکتا ہے لیکن ہر "آنجہانی" کو "مرحوم" کہنا صحیح نہیں جہاں تک میری معلومات ہیں اس قسم کی مصطلحات کے استعمال میں ہندو مصنفین زیادہ محتاط ہیں۔ چنانچہ دیبی پرشاد بشاش درگا پرشاد نادر اور لالہ سری رام وغیرہ کی تحریریں سند کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔

محمد انصار اللہ نظر

---

# شام فراق

دہلی رائٹرز ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ نے اکتوبر کے وسط میں عالی شان پیمانے پر "شام فراق" منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ تقریب نہایت اہم اور نیا انداز لئے ہوئے ہوگی پروگرام کی تفاصیل بہت جلد طے کی جائیں گی۔ تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔

چندر پرکاش شاد (سکریٹری)

عبدالحی

# تبصرے

## ماہنامہ کتاب لکھنؤ (نئی ہندی کہانی نمبر)

ایڈیٹر: سید جمیل احمد
ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ کتاب، چوک، لکھنؤ
قیمت: ایک روپیہ

یہ بات اب تمام انصاف پسند لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اردو اور ہندی ایک بنیادی زبان کے دو ادبی روپ ہیں جن کو تاریخی حالات نے مستقل زبانوں کی حیثیت دے دی ہے چنانچہ جیسے جیسے تنگ نظری، تعصب اور ہٹ دھرمی کی وہ فضا جسے بعض ان سیاست دانوں نے پیدا کردیا تھا جن کی ساری سیاست زبان کے مسئلہ کے گرد گھومتی ہے، صاف ہوتی جارہی ہے، ویسے ویسے اردو اور ہندی ادب ایک دوسرے کے قریب آرہا ہے۔ ادھر کافی تعداد میں ہندی کی کتابیں اردو میں اور اردو کی ہندی میں منتقل ہوئی ہیں، یہ کام بہت ضروری اور مستحسن ہے صرف اس لئے نہیں کہ اس طرح اردو اور ہندی کے درمیان غلط فہمی کی جو بڑی خلیج پیدا ہوگئی تھی وہ کم ہو بلکہ اس لئے بھی کہ اس سے دونوں زبانوں کے ادب کا دامن وسیع ہوگا۔ ماہنامہ کتاب نے "نئی ہندی کہانی نمبر" شایع کرکے اس سمت میں ایک اور قدم بڑھایا ہے۔

اس نمبر میں ہندی کے نئے نمایندہ افسانہ نگاروں کی ۱۲ کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔ شروع میں دو مقالے ہیں جن سے اس پیش رفت کا پتہ چلتا ہے جو ہندی کہانی نے پچھلے دس پندرہ سالوں میں کی ہے اور ان رجحانات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو ہندی افسانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ پرشاد صاحب کے مقالے میں بعض مفید باتیں زیر بحث آگئی ہیں لیکن ان میں بعض سے اختلاف ممکن ہے۔

حقیقی ادب وہی ہے جو زندگی کا پورا اور اصلی عکس پیش کرے یہ بات ادب کی تمام ہی صنفوں میں ہونا چاہیے۔ لیکن افسانے اور شعری ادب کا رشتہ اگر زندگی سے نہ ہو تو یہ دونوں اصناف اپنی موت آپ مرجاتی ہیں۔

یہ بات خوشی کی ہے کہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے افسانوی ادب کا رشتہ زندگی سے بہت استوار ہے یہی وجہ ہے کہ نئی زمانہ افسانے اور ناولیں خواہ ہندی کی ہوں یا اردو کی بہت زیادہ مقبول ہیں۔

ہندی کہانی نے پچھلی دہائی میں موضوعات کی وسعت اور تکنیک دونوں اعتبار سے کافی ترقی کی ہے۔

اس نمبر میں منیشور رائے، موہن راکیش، اوشا پریم ودا، رمیش بخشی، کملیشور، رگھوویر سہائے، نرمل ورما، راجندر یادو، شانتی کنور نارائن، ٹھاکر پرشاد سنگھ اور امرکانت کی کہانیوں کے اردو ترجمے شامل ہیں۔

منیشور رائے کی کہانی اپنے موضوع اور ڈھنگ دونوں اعتبار سے ایک انوکھی جدت لئے ہوئے ہے۔ امرکانت کی کہانی "ڈپٹی کلکٹری" کو پڑھ کر پریم چند کے افسانوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ یہ کہانی متوسط طبقے کے المیہ کو بڑے موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔

ٹھاکر پرشاد سنگھ، جنھوں نے کتاب کے اس نمبر کو ترتیب دیا ہے اور خود ایک ممتاز افسانہ نگار اور ناقد ہیں، کی بھی ایک کہانی، "کھوٹا سکہ" اس نمبر میں شامل ہے، اس کہانی کا پس منظر دیہاتی زندگی ہے جہاں خود مصنف کے بقول "ایک ٹوٹا ہوا آدمی ماضی کے تحفظ کے لئے آخری لڑائی لڑتا ہے۔"

رمیش بخشی، موہن راکیش اور راجندر یادو کی کہانیاں آج کی شہری زندگی کے مسائل کا مطالعہ ہیں "تیسرے پہر کی دھوپ" اگر اس نمبر میں شامل نہ ہوتی تو اچھا تھا، اس کا ننگا پن ذوق سلیم پر گراں گزرتا ہے اور پھر جس ذہنیت کا پردہ اس میں فاش کیا گیا ہے وہ ایک بیماری ہے جو ابھی خال خال لوگوں ہی تک محدود ہے اور اس کا چرچا مناسب نہیں۔

آخر میں "بارہ کہانیاں" کے عنوان سے ٹھاکر پرشاد سنگھ کا تبصرہ یا تجزیہ ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک قابل قدر پیش کش ہے اور اردو کے افسانہ پڑھنے والوں اور لکھنے والوں دونوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپ اور مفید ہوگا۔

## ماہنامہ "پونم" حیدرآباد

اڈیٹر: ناصر کرنولی
ملنے کا پتہ: ۲۰۱ - ۷ / ۱۹ اعظم پورہ، حیدرآباد
(آندھرا پردیش)
قیمت: ۵۰ پیسے

حیدرآباد سے ادھر کئی نئے ادبی ماہنامے جاری ہوئے ہیں، ان ہی میں "پونم" بھی ہے زیر نظر شمارے سے پہلے "پونم" کے تین شمارے اور نکل چکے ہیں۔ اس پرچے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پابندی وقت کے ساتھ شایع ہورہا ہے یہ بات بہت کم ادبی پرچوں کو نصیب ہے۔

زیر نظر شمارے میں تین مقالے، ایک مذاکرہ، پانچ غزلیں، چار افسانے آٹھ نظمیں اور تین مزاحیہ خاکے ہیں۔

آخر میں نظم "سنگم" پر تبصرہ اور اڈیٹر کے نام آئے ہوئے چار خط "قومی آزادی اور اردو شاعری" میں مقالہ نگار نے اقتباسات کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ جنگ آزادی میں اردو شاعری نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

"ہند قدیم کا مشہور ڈرامہ نویس راج شیکھر" میں نہ صرف راج شیکھر کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ضمناً قدیم ہندوستان میں فن ڈرامہ نگاری کی ابتدا اور عروج و زوال کا بھی بیان ہے۔

تیسرا مضمون "آسکر وائلڈ کا نظریۂ فن" ہے۔ مقالہ نگار نے اس مضمون میں آسکر وائلڈ ہی کی زبانی اس کے نظریۂ فن کو واضح کیا ہے۔ اگر آسکر وائلڈ کی ان تحریروں کا بھی حوالہ دیدیا جاتا جن کی بنیاد پر یہ مضمون تیار کیا گیا ہے تو مضمون کی افادیت بڑھ جاتی۔ خصوصاً ان قارئین کے لئے جو اس موضوع پر مزید تحقیق کے خواہش مند ہیں۔

زیر نظر شمارے کا افسانوی حصہ ہی دراصل اس شمارے کی جان ہے۔ اس میں کوثر چاندپوری اور آمنہ ابوالحسن کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد حصہ نظم آتا ہے اور پھر حصہ غزل۔ حصہ غزل میں آرزو لکھنوی مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ غزل بھی پیش کی گئی ہے۔ جس کا مطلع اور مقطع ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پاس رسوائی کہاں تک دل جب اپنا بھی گیا    رازِ غم جس میں چھپاتے تھے وہ پردا جل گیا
برق حسرت آرزو کل تھا پر گری    تھی پھپھولے کی خوشی جیسے وہ پودا جل گیا

پونم کے پہلے شمارے میں اردو شاعری میں نئے تجربے کے عنوان سے ایک مذاکرہ شروع کیا گیا تھا۔ اس پرچے میں آکر اس مذاکرے کی نوعیت "مناظرہ" کی سی ہو گئی ہے۔ ادبی مذاکرات میں یہ رجحان غیر صحت مند ہے۔ شرکاء مذاکرہ کو لب و لہجہ میں متانت اور توازن برقرار رکھنا چاہیے اسی طرح یہ مذاکرہ اس مقصد کو پورا کر سکے گا جس کے تحت یہ شروع کیا گیا تھا۔

بہتر ہو اگر اڈیٹر کے نام آئے ہوئے صرف وہی خطوط شایع ہوں جو ادبی اہمیت کے حامل ہوں۔ زیر نظر شمارے میں جو خطوط شایع ہوئے ہیں ان میں صرف حرمت الاکرام کا مراسلہ اس قبیل میں آتا ہے۔

پونم کی اٹھان اچھی ہے اور اب تک اس کے جو چار شمارے شایع ہوئے ہیں وہ اس پرچے کے اچھے مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں اگر اسی محنت اور لگن سے پابندی وقت کے ساتھ یہ پرچہ شایع ہوتا رہا تو عجب نہیں کہ جلد ہی یہ صفِ اول کے ادبی پرچوں میں شمار ہونے لگے۔

## ماہنامہ آنچل حیدرآباد

اڈیٹر: غوث یوسفی

قیمت: ۶۲ پیسے

غوث یوسفی کی ادارت میں حیدرآباد سے یہ ایک نیا ماہنامہ جاری ہوا ہے زیر نظر شمارہ اگست کا ہے اور پہلا شمارہ ہے جیسا کہ مدیر نے اداریتی نوٹ میں کہا ہے۔ اس نمبر کے لئے انھیں اچھے مقالے ہاتھ نہ آ سکے چنانچہ بعض مشاہیر کے مطبوعہ مضامین کو 'ڈائجسٹ' طریقے پر پیش کیا ہے مثلاً نرقت کاکوروی کا "اردو شاعری میں رقیب" یا فراق گورکھپوری کا "خطرناک نیک نیتی"۔ ادیب یعقوبی کا مضمون البتہ غیر مطبوعہ ہے۔

مضامین کے علاوہ تین افسانے، پانچ نظمیں اور دو غزلیں شریک اشاعت ہیں مستقل صفحات کے تحت ایک پیروڈی، ایک قلمی چہرہ اور یاد رفتگاں کے عنوان سے امجد حیدرآبادی مرحوم کے متعلق ایک مختصر مضمون ہے آخر میں تہذیبی خبریں اور تبصرے ہیں۔

پرچہ اگر پابندی سے شایع ہوتا رہے تو ترقی کر جائے گا غوث صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے عزائم بھی بلند ہیں اور انھیں سلیقہ بھی ہے امید ہے کہ جلد سے جلد وہ اس پرچے کو ایک اچھا ادبی جریدہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس بات کا بہر حال لحاظ رکھنا چاہیے کہ مضامین اور منظومات ایسی شایع کی جائیں جن میں کوئی اپج ہو، اس سے پرچہ میں جان پڑے گی اور اس کی مقبولیت کا سامان بھی پیدا ہوگا۔ مزاحیہ مضامین یا پیروڈی وغیرہ ہی اب ستھرے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں۔




مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علیگڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شایع کیا